ہرات کے آثارِ قدیمہ

مترجمہ جناب مولوی محمد عظمت اللہ صاحب پانی پتی فاضل دیوبند

ایوانِ غربی میں جو محراب کے پہلو میں واقع ہے، ایک صندوق رکھا ہوا ہے جس میں وہ تبرکات رکھے ہیں جو فخری پاشا (سفیر ترکی) ۱۹۲۳ء میں افغانستان سے لائے تھے۔ اس صندوق کی شمالی جانب ایک پتھر نصب ہے، جس پر ان تبرکات کی فہرست اور ان کی کیفیت تحریر ہے۔ یہ تبرکات حسب ذیل ہیں۔

(۱) روضۂ مبارک کے غبار کا صندوق (۲) روضۂ مبارک کے غلاف کا ٹکڑا (۳) روضۂ مبارک کی شمع کا ٹکڑا (۴) روضۂ مبارک کی دھونی کا صندل (۵) روضۂ مبارک کی صف نماز پوش کا برش (۶) خانۂ کعبہ کے اندر کے پردے۔ (۷) روضۂ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا غبار[1]۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ مسجد شریف کی بنیاد سلطان غیاث الدین غوری کے عہد میں رکھی گئی تھی اس کے بعد مرورِ ایام کے اثرات اس کو پامال کرتے رہے، اور وقتاً فوقتاً اس کی مرمت ہوتی رہی۔ ۸۹۵ھ میں سلطان حسین مرزا امیر علی شیر نوائی وزیر بزرگ ہرات کے عہد میں اس کے ایک مقصورہ اور ایک محراب کی مرمت کی گئی۔ ذیل کی رباعی جو وہاں کندہ ہے اس بات کا واضح ثبوت ہے:-

مقصورۂ و طاق جامع شہر گردیدہ خراب بود از دہر
شد امر زغیب گشت تاریخ ونق لبنایۂ علی شیر
۸۹۵ھ

[1] آثار ہرات جلد اول تالیف خلیلی۔

دوسری دفعہ پھر مسجد کی عام مرمت شروع کی گئی جس سے ۹۰۴ھ سنہ میں فراغت ہوئی۔ چنانچہ دو رُباعیاں اس کے ثبوت میں بھی مسجد پر لکھی ہوئی ہیں۔

این بقعہ کہ ماندہ بود چوں عظم رمیم ماندۂ کعبہ یافت احیائے عظیم

تاریخ عمارتش زدل جستم گفت ثانی بنائے طیب ابراہیم
۹۰۴

شمالی دروازہ پر یہ رباعی لکھی ہے:-

بتعمیر این بقعہ جاں یافت فیض کمانند خلد است ماوائے فیض

چواز فیض تعمیر شد بہرہ مند خرد یافت تاریخ آں جائے فیض
۹۰۴

دوسری مرتبہ شاہ اسماعیل صفوی کے عہد میں خراب ہوگئی تو ۱۲۵۳ھ سنہ میں مسجد کے سمت شمالی کے ایوان کو وزیر یار محمد خاں درانی نے بنایا۔ ۱۲۹۳ھ سنہ میں امیر شیر علی خاں نے مسجد کے دروازوں کی مرمت کرائی چنانچہ یہ رباعی جنوبی دروازہ پر لکھی ہوئی ہے۔

کرد استاد کریم طرح چہار باب این مسجد پاکیزہ سرشت

ملکے ازپئے تاریخش گفت فتح اندک ابواب بہشت
۱۲۹۳

ضیاء الملۃ والدین کے عہد حکومت کے ابتدائی زمانہ میں قبلۂ مسجد کا ایوان خراب ہوگیا تھا جس کی مرمت اُس نے کرادی۔ ۱۳۲۵ھ سنہ میں جب سراج الملۃ والدین نے ہرات جاکر مسجد کو شکستہ حالت میں دیکھا تو اُس کی مرمت کا حکم دیا۔ اور اس کام کے لیے اس نے دولاکھ کے قریب روپیہ منظور کیا۔ اس وقت اس کی مرمت میں پورے پانچ سال صرف ہوئے[1]۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ اس مسجد کی بنیاد عربوں کے دور میں رکھی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسجد کے بعض حصّے مسجد ابن طولون اور سامرہ کی مسجد سے مشابہت رکھتے ہیں۔ مذکورہ بالا بیان سے واضح ہوگیا ہوگا کہ کتنی بار اس مسجد کی ترمیم اور مرمت ہوئی ہے۔ صحن مسجد

[1] مزارات ہرات جزاول مطبوعہ لاہور ص ۸۷ - ۸۸۔

کی دیواروں سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ زمانہ مابعد میں پہلے پختہ اینٹوں سے تعمیر کی گئیں اور پھر کچھ عرصہ بعد ان اینٹوں پر مغربی خراسان کی عمارتوں کے طرز پر چونہ قلعی کی گئی۔

بعض مورخین کی یہ روایت بھی قابل توجہ ہے کہ یہ مقدس عمارت ایک زمانہ میں مشرکین کی عبادتگاہ تھی۔ مسلمانوں نے ہرات پر قابض ہوتے ہی اُس کو مسجد کی شکل میں تبدیل کر لیا اور پھر سلطان غیاث الدین کے عہد میں موجودہ شکل میں اس کی تجدید ہوئی۔ اُس کے بعد اس کی مرمت اور اصلاح وغیرہ ہوتی رہی۔

جامع شریف کے شمالی جانب سلطان غیاث الدین کی قبر ایک عظیم الشان اور بلند گنبد میں تھی لیکن اب صرف چہار دیواری اور بعض پرانی تحریرات باقی ہیں گنبد کا نشان بھی نہیں رہا۔ یہ مدفن اپنے لیے سلطان نے مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی بنوایا تھا۔ اس کے علاوہ اُس کی اولاد اور دیگر متعلقین کی قبریں بھی وہاں تھیں۔ ملک معزالدین بھی اسی قطعۂ زمین میں ابدی نیند سو رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ مدفن مذکور کی عمارت ایک جریب میں واقع ہے۔ جس کے ادھر ایک گنبد بنا ہوا تھا۔ یہ اُس وقت کے فن معماری کا ایک معجزہ تھا۔

ایک بڑی دیگ ہفت جوش نقشین مسجد کے ایوانِ غربی میں رکھی ہوئی ہے۔ یہ دیگ شاہانِ کرت کے زمانہ میں قلندر نامی ایک شخص نے بنائی تھی اس کا قطر ۱½ میٹر اور گہرائی دو میٹر ہے۔ اس میں بہت سے پائے لگے ہوئے ہیں جن پر یہ دیگ ایستادہ ہے۔ یہ دیگ متبرک ایام میں لوگوں کو شربت پلانے کے لیے وقف کی گئی تھی۔ اس کے بیرونی کنارے پر محمد بن محمد کرت کندہ ہے نیز بادشاہِ وقت کی مدح میں ذیل کے اشعار لکھے ہوئے ہیں۔

ہزار سال جلالی بقائے ملکش باد — شہور او ہمہ اردی بہشت و فروردیں
بسال ہفتصد و ہفتاد و شش بدار ہجرت — کہ نقش بند حوادث نمود صورتِ این[1]

۱؎ ہرات باغ و علا آسیائے مرکزی۔ تالیف طس۔ ۳۷

جامع شریف میں ایک مختصر سا کتب خانہ بھی ہے جو کتب متداولہ دینیہ وعلمیہ پر مشتمل ہے۔

۲۔ قلعۂ ارگ — مسجد جامع کے بعد ہرات کا مشہور ترین مقام قلعۂ ارگ ہے۔ ہرات کے حصۂ شمالی میں ایک بہت بڑا مٹی کا ٹیلہ ہے جس کے عقب کی اونچائی پر یہ قلعہ واقع ہے اور تمام شہر سے بلند نظر آتا ہے۔ اُس کی دیواریں اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں اور بہت قدیم معلوم ہوتی ہیں۔ ابن حوقل کے الفاظ میں قلعۂ ارگ کی حیثیت یہ ہے "ہرات ایک قلعہ رکھتا ہے، خندقوں والا۔ یہ قلعہ اُس کے مرکز میں واقع ہے اور مستحکم دیواروں سے محفوظ ہے" لیکن اب قلعہ کی خندقیں پُر ہو گئی ہیں۔ نیز وہ شہر کے وسط سے بھی ایک طرف کو ہٹ گیا ہے۔ قلعہ کا جو حصہ رہائش کے کام میں آتا ہے اُس کا طول ۲۴۰ فٹ اور عرض ۱۸۰ فٹ ہے۔ اس شاہی قلعے کے چار برج ہیں، اور ایک پھاٹک ہے جو بازارِ عمومی کی طرف کھلتا ہے۔ بازارِ عمومی قلعہ کے چاروں طرف محیط ہے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں پانچویں بادشاہ فخرالدین (۶۸۴ء-۷۰۶ھ) نے ارگ ہرات کو قلعہ اختیارالدین کے نام سے یاد کرتے ہیں بطلیموس اور بعض دوسرے قدیم جغرافیہ نویس پرانے پایۂ تخت کو ارتاکوان لکھتے ہیں اور شہر ہرات کو بھی ارتاکوان ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اسی لیے مورخین کے درمیان شہر ارتاکوان کا محل وقوع ایک اہم موضوعِ بحث بن گیا ہے تو ماشک کے عقیدہ کے مطابق شہر آرتاکوان ارگ ہرات کی جگہ واقع تھا۔ جو کرت کے زمانہ (صدی ۱۳ و ۱۴) میں اختیارالدین سے منسوب ہوا[1]۔

قلعۂ اختیارالدین کو جو سلطان فخرالدین کرت کا بنایا ہوا تھا۔ اور جو تیمور کے حکم سے ویران کر دیا گیا تھا، شاہرخ نے دوبارہ آباد کیا[2]۔ جب شاہ بابر ہرات گیا تو قلعہ مذکورؒ بالا قورغانؒ کے نام سے مشہور تھا، جیساکہ اُس نے خود کہا ہے: "قلعہ اختیارالدین ہری (منسوب بہ ہرات) جو آج کل

---

[1] تذکرۂ جغرافیائی تاریخی ایران ص۱۰۱۔ [2] تاریخ کثیرہ۔ مؤلفہ سید شریف راقم نسخۂ قلمی عجائب خانۂ کابل۔

بالا قورغان کے نام سے مشہور ہے ۔۔۔۔۔[۱]" زمانہائے سابق میں اس قلعہ کے استحکامات اور مضبوطی کے باعث خزانۂ ملک اور شاہی ساز و سامان اُس میں چھپائے جاتے تھے۔ قلعۂ شیراز ہ کے وہ حصّے جو شہر کی حدود سے باہر ہیں۔ نیز اُس کا وہ حصّہ جو شہر کے اندر ہے اور باحصار کے نام سے مشہور ہے، ایک خندق میں محصور ہیں۔ قلعہ کی مستحکم اور بلند فصیل نے جس پر جا بجا فوجی اور ہندسی ساخت کے برج وحصار بنے ہوئے ہیں، ہرات کی محافظت اور اُس کے انتظامی وسیاسی امور میں کافی امداد پہنچائی ہے۔ وقتاً فوقتاً جس قدر بھی سنگین وہولناک حملے ہرات پر ہوئے اور جتنی بار بھی اُس کے محاصرے کیے گئے۔ ہرات کا سخت جانی کے ساتھ اُن کا برداشت کرنا زیادہ تر اسی قلعہ کے استحکامات کے باعث تھا۔ جو عمارت اس قلعہ میں فرامرز خاں مرحوم سپہ سالار نے اضافہ کی تھی وہ اُسی صورت و شکل میں اب تک موجود ہے۔ اس مکان سے شہر کا شمالی حصّہ بخوبی نظر آتا ہے جس بلندی پر یہ قلعہ واقع ہے اُس سے تقریباً ۸۰ فٹ نیچائی پر ارگ جدید بنایا گیا ہے۔

ارگِ جدید کے بعد ایک وسیع میدان چھوڑ دیا گیا ہے، جو فوجی پریڈ کے کام آتا ہے شہر سے باہر نکل کر مختلف عمارات اور مصلّے کے مینار دکھائی دیتے ہیں۔ ان عمارتوں سے گزر کر پھر ایک میدان شروع ہو جاتا ہے جو دامنِ کوہ پر ختم ہوتا ہے۔ ارگ کی بڑی چھاؤنی اور دوسری چھوٹی چھاؤنیاں نیز ایک زبردست فوجی شفاخانہ سب عمارتوں کے آخر میں بنایا گیا ہے[۲]۔ غرض کہ یہ قلعہ پُرانے زمانہ کی ایک یادگار اور ہرات کے زمانہائے ماضی کے تمدن و شائستگی کا آئینہ ہے۔

(۳) مصلّیٰ | ہرات کی تاریخی اہمیت اور دلچسپی کا موجب زیادہ تر وہ مقدس مقامات اور زیارتگاہیں ہیں جو شہر کے باہر واقع ہیں۔ اب ہم اُن کا بیان کرتے ہیں:۔

شمالی کوہستان کے دامن میں چار میل لمبی، تین میل چوڑی ایک وادی ہے جہاں

[۱] تزک بابری۔ ص ۱۲۵۔		[۲] آثار ہرات جلد اول۔ تالیف آقائے خلیلی، ص ۵۴۔

جگہ جگہ اینٹوں کے ڈھیر پڑے نظر آتے ہیں۔ یہ اینٹیں اُن برباد شدہ قصور و محلات کے کھنڈرات کی ہیں جو کسی زمانہ میں زائرین کی دلچسپی اور مشرق کی عظمت و شان کا سرمایہ تھے۔ ان خستہ حال عمارتوں کے درمیان جو ہرات کی تاریخ کا ایک ورق اور اُس کی گذشتہ خوبصورتی و زیبائش کی نوحہ خواں ہیں۔ چند پُرشکوہ عمارات "مصلے" کے نام سے مشہور ہیں "مصلے" کی عمارتیں شہر کے شمال مشرق میں ایک ہزار قدم کے فاصلہ پر واقع تھیں، مگر اب یہاں سوائے میناروں کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی "مصلیٰ" تین عمارتوں پر مشتمل تھا۔ یہ تینوں عمارتیں شہر کے شمال مشرقی گوشہ سے جنوب مغربی گوشہ تک ۸۰۰ افٹ زمین میں پھیلی ہوئی تھیں۔

مورخین کہتے ہیں کہ "مصلیٰ" اول شاہانِ کرت نے۔ مصلی دوم امیر تیمور گورگان نے اور مصلی سوم سلطان حسین بائقرا نے تعمیر کیا تھا[1]۔ مقالہ نگار کی رائے میں مصلی دوم کو تیمور کی طرف منسوب کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ تیمور کا ہرات میں اتنا زیادہ قیام ثابت نہیں جس سے اس قسم کا عمل اُس کی طرف منسوب کیا جا سکے۔ البتہ اُس کے بیٹے مرزا شاہرخ کے عہد میں یہ کام سرانجام ہونا قرین قیاس ہے۔ جیسا کہ سطورِ مابعد سے معلوم ہو جائیگا۔ بہرحال "مصلیٰ" سرزمین ہرات کی ایک اہم تاریخی یادگار ہے۔

"مصلے" کی مشرقی عمارت یعنی "مدرسہ" میں سے چار میناروں اور مہد علیا کے ایک گنبد کے سوا اب کچھ باقی نہیں رہا۔ کسی زمانہ میں اس عمارت کی چھتیں ۸۰ فٹ تک بلند تھیں۔ جن پر نہایت خوبصورت نقاشی کی گئی تھی۔ اس نقاشی کا نمونہ اب بھی کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ مشہور مورخ مولانا محمد بن خاوند شاہ ہراتی نے خلاصۃ الاخبار میں بیرون ہرات کی عمارات کا ذکر کرتے ہوئے "مصلے" مذکور کو تین عمارتوں میں اس طرح تقسیم کیا ہے:۔ (۱) مدرسہ مہد علیا گوہر شاد بیگم

---

[1] آثار ہرات جلد اوّل تالیف آقائے خلیلی ص ۵۵ [2] اقتباس از مجلہ ادبی ہرات نمبر ۱۲ جلد ۲

(ملکۂ شاہرخ) (۲) مدرسہ سلطان حسین مرزا (۳) خانقاہ ومدرسۂ اخلاصیہ۔ ان میں سے مدرسۂ گوہر شاد بیگم کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ مولانا موصوف نے ان عمارات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(مدرسہ گوہر شاد بیگم) ۸۲۰ھ میں گوہر شاد بیگم بنت سلطان غیاث الدین ملکۂ سلطان شاہرخ نے اپنے شوہر کے عہد میں از راہ علم دوستی وفضیلت پروری ایک مدرسہ بنانے کا عزم کیا تاکہ ہرات کے بلند پایہ علماء ومدرسین کو اُس میں جمع کرکے علوم وفنون کی توسیع میں حصہ لے اور اس خطہ کے علماء وفضلاء کی تائید میں اضافہ ہو۔ اس ارادے کو عملی صورت دینے کے لیے ملکہ نے اطراف ملک سے ماہرین فن معماروں، سنگتراشوں، نقاشوں، خطاطوں اور مینا کاروں کو بُلا کر اس عظیم الشان مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ اور اپنی جیب خاص سے ایک گراں قدر رقم اس پر صرف کی۔ طویل مدت کے بعد مدرسہ اپنی انتہائی نظرفریبی اور زیبائش کے ساتھ تکمیل کو پہنچا۔

مدرسہ کی چھتیں کافی بلند تھیں جن پر نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ دیواریں گنبد اور مینار عموماً رنگ برنگ کی نقاشی سے آراستہ تھے۔ خواجہ میرک ہراتی کے رسم الخط میں جابجا تحریرات لکھی ہوئی تھیں جو عمارت کی خوبصورتی کو دوبالا کر رہی تھیں۔ مدرسہ کے قریب ہی ایک عظیم الشان گنبد بنایا گیا تھا۔ اس گنبد کی غرض یہ تھی کہ سلطان اور اس کی ملکہ مہد علیا دونوں مرنے کے بعد اس میں دفن کیے جائیں۔ سنگ مرمر کا ایک خوبصورت ٹکڑا جس پر مدرسہ مذکور کی تاریخِ تعمیر مشہور خطاط جعفر جلال کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، ہرات کے عجائب خانہ میں موجود ہے اُس کی عبارت حسب ذیل ہے۔

"بمیامن فضل ربانی، ومساعدتِ تائید سبحانی، ایں عمارت رفیع البنیان شامخ الارکان کہ قواعد معاقدش در روز قدرسنہ عشرین وثمان مائتہ (۸۲۰) تمہید یافتہ بود، ودر ایام دولت حضرت خلافت پناہ السلطان بن السلطان معین السلطنت الدنیا والدین معزالاسلام و

منعۃ المسلمین شاہرخ بہادر خلد اللہ تعالیٰ ملکہ وسلطانہ "۔ از آثار مساعی مشکورہ وخالص مال علیا حضرت مہد علیا عصمت الدنیا والدین گوہرشاد آغا بنت امیر الکبیر غیاث الدین خلد دولتہا اتمام یافت فی سنۃ احدی واربعین وثمان مائۃ (۸۴۱) کتبہ جعفر جلالی"

ترجمہ:- فیض خداوندی کی برکتوں، اور توفیق الٰہی کی تائید سے اس بلند پایہ عمارت کی بنیادی رسوم ۸۲۰ھ کے ایک مبارک دن میں ادا کی گئیں۔ اور حضرت خلافت پناہ سلطان بن سلطان معین سلطنت دنیا ودین، فخر اسلام والمسلمین شاہرخ بہادر خلد اللہ ملکہ وسلطانہ کے عہد حکومت میں علیا حضرت مہد علیا عصمت دنیا ودین گوہرشاہ آغا بنت امیر کبیر غیاث الدین خاں خلد اللہ دولتہا کی سعی مشکور اور ان کے ذاتی مال کے صرف سے یہ عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچی ۸۴۱ھ کتبہ جعفر جلال

اگرچہ میناروں کی لپائی مرور ایام اور حوادثِ زمانہ کی سختی سے خراب ہو گئی ہے لیکن اس گئی گذری حالت میں بھی اُس عظمت وشوکت کا تصور کرانے کے لیے کافی ہے جو اُسے تعمیر کے وقت حاصل ہو گی۔ اس مدرسہ کے مینار تمام میناروں سے اونچے ہیں۔ اُن کی بلندی ۱۲۰ فٹ سے ۱۵۰ فٹ تک ہے کونولی ۱۸۳۱ء میں لکھتا ہے۔

"میں ۱۴۰ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد ہرات کے سب سے اونچے منارہ کے بالائی حصہ پر پہنچا۔ وہاں سے شہر اور اُس کے گردونواح کے خوبصورت باغات اور تاکستان کا نظارہ کیا۔ ان مناظر کی کچھ جھلک بجز دہلی کے اور کسی مقام پر نظر نہیں آتی"[1]

مدرسہ مذکور کے قریب والا گنبد جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، ابھی تک خراب نہیں ہوا، یہ گنبد اپنی مخصوص طرز ساخت کے اعتبار سے سہ پوشتہ کہلاتا ہے۔ پوشش اول میں اندر داخل ہونے کا

[1] اقتباس از مجلۂ ادبی ہرات نمبر ۱۲ جلد ۳ [2] ہرات باغ وغلہ خانہ آسیات مرکزی۔ تالیف ملسن

راستہ بنا ہوا ہے۔ پوشش دوم میں کوئی راستہ نہیں ہے۔ صرف اوپر چھت میں ایک سوراخ ہے جس میں سے پوشش سوم دکھائی دیتی ہے۔ چار بڑے بڑے رواق جو ایک دوسرے کے مقابل نہایت خوبی سے بنے ہوئے تھے، اور جو اپنی گذشتہ شانِ زیبائی کو اب بھی ظاہر کر رہے ہیں پامال ہو گئے ہیں۔ اس مقبرہ پر آبی رنگ کی پتائی کی گئی ہے جس پر جا بجا قرآنی آیات نظر آتی ہیں، لیکن انقلابِ روزگار نے اس کی پہلی سی زیب وزینت باقی نہیں رکھی۔ یہ گنبد عوام میں گنبد سوز کے نام سے مشہور ہے۔ اس گنبد میں مندرجۂ ذیل قبریں ہیں:۔

(۱) پہلی قبر بائسنغر بن شاہرخ بن تیمور کی ہے۔ سال وفات ۸۳۶ھ ق (۱۴۳۳ء) ہے[۱] بائسنغر شاہرخ کا تیسرا بیٹا تھا جو ۷۹۹ھ میں پیدا ہوا اس کی تاریخ وفات یہ قطعہ ہے۔

سلطان سعید بائسنغر سحرم   گفتا کہ بر اہل عالم خبرم

من مردم و تاریخ وفاتم این است   بادا بجہاں دراز عمر پدرم

(۲) دوسری قبر سلطان احمد بن عبداللطیف بن سلطان عبد بن شاہرخ کی ہے۔ سنہ وفات ۸۴۹ھ (۱۴۴۵ء) ہے۔

(۳) تیسری قبر مہد علیا گوہر شاد بیگم کی ہے۔ سنہ وفات ۸۶۱ھ (۱۴۵۷ء) ہے۔

(۴) چوتھی قبر علاء الدولہ بن بائسنغر بن شاہرخ کی ہے۔ سنہ وفات ۸۶۳ھ ق (۱۴۵۹ء) ہے۔

(۵) پانچویں قبر ابراہیم سلطان بن علاء الدولہ بن بائسنغر بن شاہرخ کی ہے۔ سنہ وفات ۸۶۳ھ ق (۱۴۵۹ء) ہے۔

(۶) چھٹی قبر شاہرخ سلطان بن ابوسعید بن سلطان بن میران شاہ بن تیمور کی ہے سنہ وفات ۸۹۸ھ ق (۱۴۹۳ء) ہے۔

یہ تو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ مرزا شاہرخ کبیر اور اس کی ملکہ مہد علیا نے یہ مقبرہ اس غرض

[۱] امیر شاہی سبزواری فیروزکوہی نے جو بائسنغر کا مداح تھا، اس کے مرثیہ میں ذیل کی رباعی لکھی ہے:۔

در ماتم او دہر بسے شیون کرد ؛ لالہ ہمہ خوں دیدۂ در دامن کرد   گل جیب قبائے ارغوانی بدرید ؛ قمری نمد سیاہ در گردن کرد

([illegible])

سے بنایا تھا کہ بعد وفات وہ دونوں ایک دوسرے کے پہلو میں ابدی استراحت حاصل کرینگے لیکن افسوس قدرت نے اُن کی یہ آرزو پوری نہیں کی۔ اور جیسا کہ آپ کو ابھی معلوم ہوا اس مقبرہ میں تنہا مہد علیا مع دیگر لوگوں کے دفن ہوئی۔

یہ مقبرہ عوام میں "مقبرہ شاہرخ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ نسبت شاہرخ بن تیمور کی طرف نہیں بلکہ شاہ رخ کبیر سے ، ۴۰ سال بعد اولاد تیمور میں سے ایک شخص جس نے شاہرخ کا لقب اختیار کیا تھا، اس مقبرہ میں دفن ہوا اور اسی کی طرف یہ مقبرہ منسوب کیا گیا۔

گنبد مذکور کے ایک کتبہ میں سلطان بائسنغر کے نوحہ میں چند اشعار تحریر تھے لیکن دست حوادث نے انہیں اس طرح مٹا دیا ہے کہ ذیل کے دو شعروں کے سوا اب کچھ نہیں پڑھا جاتا ہے

بسکہ رفت از چشم مردم خونِ دل زیں واقعہ   خامہ راموج سرشک خویش در طوفاں نماند
غوطہ زد در نیل مصر از مصر گوئی شد عزیز   چین گرفت ابروئے چیں در چیں مگر خاقاں نماند

اس مدرسہ اور اس عالی شان گنبد کا معمار اُستاد عماد الدین ہروی تھا جس نے ۸۴۲ھ میں وفات پائی، اور گورستانِ ہرات میں مقبرۂ سادات کے قریب دفن کیا گیا۔[۱]

گوہر شاد بیگم مدارس و مساجد کی تعمیر اور علوم و معارف کی ترقی کا والہانہ جذبہ رکھتی تھیں "مسجد مصلیٰ" کے علاوہ ایک اور مدرسہ بھی بنایا تھا۔ اسی طرح مشہد میں مسجد گوہر شاد کے نام سے ایک مسجد بنائی تھیں شہنشاہ بابر نے اپنے سفر ہرات کے دوران ۹۱۲ھ ق (۱۵۰۶ء) میں مدرسہ مقبرہ اور مسجد گوہر شاد کی اپنے ایک خط میں بہت تعریف کی ہے۔

افسوس آج سوائے ایک سنگ قبر کے جو خاکتودہ پر آدھا قبر میں دھنسا کھڑا ہے اور سوائے اُس تاریخی لوح کے جو ہرات کے عجائب خانہ میں رکھی ہوئی ہے، اُس مدرسہ کی عمارت کا کہیں

---

[۱] مجلہ ادبی ہرات نمبر ۱۲ جلد ۳۔

کوئی نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ یہ پتھر ہفت قلم کے نام سے مشہور ہے۔ اور عہد ماضی کے فن سنگتراشی کا ایک عجیب نمونہ پیش کرتا ہے۔

"مصلیٰ" مقبرہ مہد علیا کی غربی جانب واقع ہے۔ اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے وہ ایک منزل گاہ ہے جس کی دیواریں غالباً منقش تھیں۔ مرکزی عمارت حسب ذیل اشیاء پر مشتمل ہے ایک بڑا گنبد جس کا قطر ۷۵ فٹ تھا۔ اس کے عقب میں ایک دوسرا گنبد اس سے چھوٹا تھا۔ عمارت کے چاروں طرف مسلسل حجرے اور کمرے بنے ہوئے تھے۔ اس عمارت کا دروازہ مشرقی جانب کھلتا تھا۔ دروازہ کی بلندی قریباً ۸۰ فٹ تھی۔ جس پر رنگ برنگی نقاشی کی گئی تھی اور ابھرے ہوئے حروف کی تحریروں سے زینت دی گئی تھی، اس کی دہلیز پر چھوٹے چھوٹے حجرے اور طاق بنائے گئے تھے۔ اس کی مشرقی جانب تقریباً ۲۴۰ فٹ مربع ایک احاطہ تھا جو برجوں اور رواقوں سے مزین کیا گیا تھا۔ اس احاطہ کا دروازہ مشرقی سمت تھا۔ دہلیز پر قریباً ۸۰ فٹ اونچی کمانداری (ڈاٹ) بنائی گئی تھی۔

عمارت کے چاروں کونوں پر چار مینار تھے۔ جن کی بلندی ۱۲۰ فٹ کے قریب تھی۔ ان میناروں کے نقش و نگار کو موسموں کی سختی نے مضمحل کر دیا ہے۔ میناروں کے وہ اطراف جو موسمی باد و باراں کے رخ پر ہیں، مخالف اثرات سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں[1]۔ اس عمارت میں جو کمرے بنائے گئے تھے، ان کی غرض یہ تھی کہ مدرسہ کے طلباء اس میں رہائش اختیار کریں۔

(ب) مدرسہ سلطان حسین بائقرا | دوسرا مدرسہ سلطان حسین بائقرا کا ہے۔ جو "مدرسہ مرزا" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مدرسہ بھی بہت خوبصورت بنایا گیا تھا۔ سلطان موصوف نے اپنی علم دوستی اور معارف پروری کی بنا پر اپنے زمانۂ حکومت میں اس مدرسہ شریف کے بنانے کا عزم کیا۔ اطراف و جوانب سے ماہرین

---

[1] نمود افغانستان۔ مؤلفہ ایت

فن معماروں، کاشی کاروں، اور نقاشوں وغیرہ کو طلب کرکے زر کثیر کے صرف سے اس عمارت کو تیار کیا۔ گنبدوں، دروازوں اور دیواروں کو فیروزی اور لاجوردی چونہ قلعی اور عجیب عجیب نقش و نگار سے آراستہ کیا۔[۱]

آقائے خلیلی اپنی تصنیف "آثار ہرات" میں سامانِ تعمیر کے مہیا کرنے کے سلسلہ میں صاحب بحیرہ سے اس طرح نقل کرتا ہے:۔

آج ۹۲۳ھ کے زمانہ میں تمام ایران و توران میں مدرسۂ مرزا کی شان و شوکت کا کوئی دوسرا مدرسہ موجود نہیں۔ اس مدرسہ پر بے انتہا دولت صرف کی گئی ہے۔ شاہ تبریز یعقوب بیگ نے دوستانہ تعلقات کی بناء پر سلطان حسین مرزا کی درخواست کے مطابق اس مدرسہ میں لگانے کے لیے سنگِ مرمر سے لدے ہوئے اونٹوں کی ۶۰۰ قطاریں تبریز سے روانہ کیں (ایک قطار کم سے کم دس اونٹوں کی ہوتی ہے)[۲]

یہ مدرسہ اُس زمانہ کی تمام عمارتوں میں بہترین عمارت تھی "نہر انجیل" اس کے صحن میں سے شمالاً جنوباً گذرتی تھی[۳] سلطان کا مزار بھی اس مدرسہ میں ہے۔ سلطان کا مزار بھی اسی مدرسہ میں ہے۔

---

[۱] مجلہ ادبی ہرات نمبرا جلد ۴

[۲] آثار ہرات جلد اول ص ۵۶ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ہرات میں سنگ مرمر افراط کے ساتھ موجود ہے۔

[۳] صاحب نزہت القلوب ص ۲۲۰ ہریرود کے متعلق لکھتا ہے کہ "ہریرود کوہستان غور سے مقام "رباط گردان" کے قریب سے نکلتی ہے۔ بہت سے چشمے اس میں آکر گرتے ہیں۔ اس نہر سے حسب ذیل نو چھوٹی نہریں برآمد ہوتی ہیں۔ (۱) نوجوی (۲) آذربائجان (۳) شکرگان (۴) کراغ (۵) غوسمان (۶) کنک (۷) سغفر (۸) آنجیر۔ جو ہرات میں آتی ہے۔ انجیر رفتہ رفتہ تحریف ہوکر "انجیل" بن گیا۔ اور آج کل بھی اُس کا یہی نام ہے (۹) یارشت یہ نہر نو شیخ بہت سے صوبوں کو سیراب کرتی ہے اور ہرات سے گذر کر سرخس کو ہوتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ اس نہر کا طول ۸۳ فرسنگ ہے (جغرافیائے مفصل ایران جلد اول ص ۹۶ تالیف فاضل مسعود کیہان)

نزبکلر لکھتا ہے :-

"میناروں کے درمیان پست دیواروں کی ایک چار دیواری ہے جس میں سلطان حسین مرزا کی قبر سیاہ زنگ کے سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ اس سیاہ مرمر میں ایسے ایسے خوبصورت پھول بنائے گئے ہیں جس کی مثال میں نے ہندوستان جیسے ملک میں بھی نہیں دیکھی۔[1]

(ح) جامع علی شیر و مدرسہ اخلاصیہ | مصلی کی دوسری مسجد "جامع امیر علی شیر" ہے۔ اس کی عمارت بتا رہی ہے کہ یہ قریب کے زمانہ میں بنائی گئی ہے۔ اس کا بانی امیر علی شیر ہے۔ اس مسجد کے ملحق دوسری عمارات بھی امیر موصوف نے ہی بنائی تھیں۔ منجملہ اُن کے ایک "دار الشفا" جو نہایت خوبصورت اور دلچسپ عمارت تھی۔ دار الشفار کے پاس مدرسۂ اخلاصیہ اور خانقاہ اخلاصیہ بھی اُسی کی تعمیر کردہ تھیں۔ خلاصۃ الاخبار میں اس کے متعلق لکھا ہے :-

اس مبارک شہر کی دوسری عالی شان عمارت مسجد جامع ہے۔ جو حقیقت میں جامع خیرات علمبر دارِ حسنات۔ مایۂ دولت خاقانی۔ مقرب حضرت سلطانی ہے۔ یہ مسجد محل شاہی کے محاذات میں بنائی گئی ہے۔ اس کے مقصورہ کے وہ دالان جو لاجورد اور طلاء سے آراستہ کیے گئے ہیں اپنی عمدگی اور صفائی سے اپنے خوش قسمت، ہمایوں سعادت بانی کی صفائی باطن کی شہادت دیتے ہیں اور اُس کی بلند پایہ دیواروں کی بنیادوں کی پختگی اپنے بنانے والے کے اعتقادات کی پختگی کی افسانہ خواں ہے

ان آثارنا تدل علینا فانظروا احالنا عن الآثار

بقعہ مبارک کے دائیں بائیں دو سر بفلک مینار ہیں جو کہکشاں کی طرح زرنگاری اور پچیکاری کے درخشاں ستاروں سے آراستہ کیے گئے ہیں۔ اور شمال میں بکمال زیب و زینت افزہت و لطافت

[1] "عبور از قلب افغانستان" مؤلفہ امیل نزبکلر ص ۵۲ و ۵۳

ایک دارالحفاظ بنایا گیا ہے۔ اس جنت نشان بقعہ کے وسط میں ایک نہایت نفیس حوض بھی ہے۔ اس عمارت میں آج کل اطباء وقت مریضوں کے علاج معالجہ میں مصروف رہتے ہیں۔ ہر قسم کی دوائیں یہاں ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ اور جو بھی نئی دوا دریافت ہوتی ہے سب سے پہلے یہاں مہیا کی جاتی ہے۔

دارالشفاء مذکور کے قریب ہی ایک اور بلند پایہ شاہی عمارت ہے جس کا نام "خانقاہ اخلاصیہ" ہے۔ یہ دونوں عمارتیں بھی عجیب عجیب آرائشوں اور جدت طرازیوں سے مزین ہیں۔ نہر انجیل (جو ان عمارتوں میں سے گذرتی ہے) کے پانی کی شیرینی ولذت نے ان عمارتوں میں اور بھی خوبی پیدا کردی ہے .... یہاں آج کل روزانہ فقیروں اور محتاجوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اور ہر سال دو ہزار کے قریب پوستین، گدڑیاں کرتے، تہ بند اور ٹوپیاں وغیرہ درویشوں میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ نیز ہر ایک بقعہ میں سات سات فاضل ومقتدر علماء کی جماعتیں مقرر ہیں جو ہر وقت دینی مسائل اور عقلی علوم کی تحقیق وتدقیق میں مصروف رہتے ہیں۔[1]

اب تک جن عمارتوں کا ذکر کیا گیا یہ وہ عمارتیں تھیں جن کے کچھ کچھ آثار اب پریشان حالت میں موجود ہیں۔ یہ عمارتیں چودھویں قرن ہجری کے اوائل تک آباد تھیں۔ مگر ۱۸۸۵ء میں امیر عبدالرحمٰن خاں کے عہد میں بعض حالات کی بنا پر یہ منہدم ہوگئیں۔ اور آج سات میناروں اور ایک گنبد مہد علیا کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی۔

(۴) تل بنگیاں | ان کہنہ عمارات کی مشرقی جانب پُرانے قلعہ سے قدرے شمالی رُخ ایک بہت بڑا ٹیلہ ہے جو غالباً قدیم زمانہ میں شہر پناہ سے متصل تھا، اور اس کے استحکامات میں شمار کیا جاتا تھا۔

شہر اس ٹیلہ تک کس زمانہ میں وسعت رکھتا تھا؟ اور پھر کس دور میں اس نے موجودہ شکل

[1] مجلہ ادبی ہرات نمبر ۱ جلد ۴۔

اختیار کی؟ ان سوالات کا جواب دینا آسان نہیں۔ تاہم ابن حوقل اپنی تحریرات میں شہر کے حالات لکھتے ہوئے پہلے قلعہ کو مرکزِ شہر تسلیم کرتا ہے۔ اور پھر اُس سے حسب ذیل نتائج نکالتا ہے:۔

(۱) اولاً یہ کہ موجودہ زمانہ میں وہ قلعہ شہر کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔

(۲) ثانیاً یہ کہ چونکہ یہ قلعہ پہلے مرکزِ شہر میں تھا اس لیے لامحالہ حدودِ شہر موجودہ زمانے کی بہ نسبت شمال کی طرف بڑھی ہوئی ہونگی۔

اس دلیل سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ شہر کی دیوار ضرور کسی زمانہ میں اس ٹیلہ سے ملی ہوئی تھی۔

بارتولد کہتا ہے:۔ "فریہ (جلد اول ص ۲۴۲) ایک روایت یہ بھی سُنی جاتی ہے کہ نادر شاہ نے یہ ٹیلہ توپ نصب کرنے کے لیے بنایا تھا۔ یہ روایت اگر صحیح ہے تو پھر واضح طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مغلوں کے زمانہ سے قبل یہ ٹیلہ ارگِ ہرات ہی کا ایک حصہ تھا۔ (اسفزاری)[۱]

اس ٹیلہ کا نام اب تل بنگیاں ہے۔ اور دور سے ایک مقبرہ سا معلوم ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جو لوگ اس ٹیلہ پر دفن ہوئے ہیں اُن میں سے کسی کے نام پر اس ٹیلہ کا نام رکھا گیا تھا۔ تل بنگیاں اُسی نام کی تحریف شدہ صورت ہے (؟)

انیسویں صدی کے نصف اخیر میں جب حکومت کی طرف سے اس ٹیلہ کے شمالی حصہ میں کھُدائی ہو رہی تھی، زمین کے نیچے پتھر کا ایک بڑا کمرہ برآمد ہوا جو انسانی ڈھانچوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے سوا آج تک کوئی دوسری ایسی شہادت نہیں مل سکی جو زمانۂ قدیم کے اس حیرت انگیز طریقۂ دفن کا ثبوت پیش کرتی ہو۔ اور نہ اُس جگہ سے کوئی سکہ وغیرہ دستیاب ہوا جس سے اُس زمانہ کی قدامت، رسم و رواج اور طرز بود و باش پر کافی روشنی پڑتی ہو[۳]۔

[۱] نادر ون افغانستان۔ مولفۂ ایت فصل سوم [۲] تذکرہ جغرافیائی تاریخی ایران ص ۱۱ [۳] نادر ون افغانستان مولفۂ ایت فصل سوم

اس ٹیلہ پر دو زیارتگاہیں ہیں۔ ان میں سے ایک اسلام کے ابتدائی دور کی یاد دلاتی ہے۔ کیونکہ سنگ قبر کے ایک رُخ پر "عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر ذوالجناحین" لکھا ہوا ہے۔ مگر تاریخِ وفات کا کچھ پتہ نہیں چلتا، اس زیارتگاہ کا بانی سنہ ۸۶۵ھ (۱۴۶۱ء) میں شیخ بایزید بن علی مشرف تھا

دوسری زیارتگاہ "زیارت شہزادہ قاسم[1]" ہے جو بظاہر اول الذکر سے بہت بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ سنگ قبر کی ایک کروٹ پر "ابوالقاسم بن جعفر متوفی سنہ ۹۴۴ھ" اور دوسری پر سنہ ۸۹۲ھ لکھا ہوا ہے۔ لیکن ایسی کوئی تاریخ نہیں ملتی جو ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکے۔ دوسری قبر کا پتھر جو عام روایت کے مطابق کسی دوسری جگہ سے لاکر لگایا گیا ہے کچھ دلچسپی نہیں رکھتا۔

---

[1] شہزادہ ابوالقاسم بن جعفر بن محمد بن امام زین العابدین۔ ان کا مرقد مبارک زیارتگاہ خاص و عام ہے۔ ان کے فیوض و برکات ہمیشہ سے ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں اور اس زمانہ میں بھی ہوتے رہتے ہیں سنہ ۱۳۲۵ھ میں امیر حبیب اللہ خاں دورہ کرتے ہوئے ہرات پہنچے۔ مزار مبارک کو قابل مرمت دیکھ کر اُس کی اصلاح کا حکم صادر فرمایا۔ نیز چند جدید عمارتوں چلہ خانہ مسجد اور حجرہ وغیرہ کا بھی اضافہ کیا۔